مولانا ڈاکٹر اکرام اللہ جان قاسمی
ڈائریکٹر مرکز تحقیق اسلامی۔ پشاور صدر

سرسیّد احمد خان اپنے عقائد ونظریات کی روشنی میں

علم وعمل، زہد وتقویٰ اور تصوف وروحانیت کے عظیم امام حضرت حسن بصری (ابوسعید بن یسارؒ متوفی ۱۱۰ھ) بصرہ کی جامع مسجد میں قرآن، حدیث اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک دن گناہ کبیرہ کے مرتکب کی حیثیت پر بحث چھڑ گئی۔ آپؒ نے جمہورِ علماء کا مسلک بیان کیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر چہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کے ایک بڑے دروازے میں داخل ہو جاتا ہے مگر اس ارتکاب سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کافر نہیں بن جاتا اور بدستور مسلمان رہتا ہے۔ اس پر آپ کے ایک شاگرد واصل بن عطاء (متوفی ۱۳۱ھ) نے اختلاف کیا اور کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مؤمن ہے اور نہ کافر۔ اس نے منزلۃ بین المنزلتین (کفر اور اسلام کے درمیان ایک درجہ) کا عقیدہ اختراع کیا۔ اور حضرت حسن بصریؒ کی مجلس سے اٹھ کر اسی بصرہ کی جامع مسجد میں الگ ایک ستون کے ساتھ اپنا درسی حلقہ قائم کیا۔ حضرت حسن بصریؒ نے اس موقع پر فرمایا اعتزل عنا واصل ہم سے جدا ہو گیا۔ یہ بظاہر ایک چھوٹا سا جملہ ہے اور بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ ایک فرد اپنے استاد سے جدا ہوا۔ مگر حقیقت میں واصل نے فرقہ معتزلہ کی بنیاد رکھی اور وہ جمہور علماء حق کے جادہ مستقیم سے جدا ہو گیا تھا۔

معتزلہ فرقہ نے دینی عقائد واحکام کیلئے عقل کو معیار قرار دیا یعنی جس بات کو عقل تسلیم کر لے وہ درست ہے اور جسے عقل ٹھکرا دے وہ غلط ہے۔ معتزلہ کے عقائد میں سے ایک بات یہ تھی کہ صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں اور ان کا الگ کوئی تشخص نہیں۔ مگر جادہ حق پر قائم ماتریدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات۔ نیز ان کا عقیدہ تھا کہ قرآن کریم محدَث اور مخلوق ہے جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم قدیم ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ ازل سے قائم ہے۔ فقہ کے مشہور امام احمد بن حنبلؒ کو معتزلہ کے انہی عقائد کی مخالفت میں قید بامشقت میں رکھا گیا تھا اور عباسی خلیفہ معتصم باللہ نے آپ کو اپنے سامنے کوڑے لگوائے تھے مگر آپؒ انتہائی استقامت کے ساتھ اپنے حق موقف پر ڈٹے رہے تھے۔ معتزلہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ انسان کبھی خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ نہ قیامت کے دن اور نہ قیامت کے بعد۔ ان کا یہ عقیدہ قرآنی آیت وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کے بالکل خلاف تھا۔ نیز ان کا عقیدہ تھا کہ انسان اپنے افعال خیر وشر کا خود خالق ہے نیز وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ خدا پر واجب ہے کہ وہ صرف بندوں کی بھلائی پر مبنی کام انجام دے۔ ان کے علاوہ بھی ان کے اور بہت سے باطل

نظریات تھے۔

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعریؒ (متوفی ۳۳۰) بمقام بصرہ ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتداً آپ معتزلہ کے امام ابوعلی جبائی کے پیروکار اور شاگرد خاص تھے آپ کو جبائی اکثر اپنی جگہ مناظروں کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ امام اشعریؒ چالیس سال تک معتزلی عقائد پر قائم رہے۔ اور یہ طویل عرصہ معتزلہ کے ایک زبردست داعی کی حیثیت سے گزارا۔ مگر ایک رات ان کو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ابوالحسن! میری احادیث کی تائید کرو اس لئے کہ وہ صحیح ہیں''۔ (الغزالی' شبلی نعمانی ص ۷۲) چنانچہ امام ابوالحسن نے بصرہ کی جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے فرقۂ معتزلہ کے بڑے بڑے عقائد گنا کر ان سے برأت کا اعلان فرمایا اور فرمایا کہ آج میں اعتزال کے بوسیدہ عقائد کو یوں اتار کے پھینکتا ہوں جیسے میری یہ عباء (چغہ) اور آپ نے واقعی اپنی عباء اتار کر پھینک دی۔ اس کے بعد اشعری مذہب کی بنیاد رکھی۔ آپ نے معتزلہ کی رد میں کتابیں لکھیں اور مناظرے کئے۔ اور ان کے مذہب کو اہل سنت کی کثیر تعداد نے اپنایا۔

جیسے پہلے کہا گیا کہ معتزلہ کے ہاں دینی عقائد واحکام میں عقل کو معیار قرار دیا گیا تھا جو بات سمجھ میں آتی قبول کی جاتی اور جو عقل میں نہ آتی رد کردی جاتی۔ اس چیز کو روشن خیالی کہا جاتا ہے۔ روشن خیالوں کا سارا زور اس پر خرچ ہو جاتا ہے کہ دینی عقائد واعمال کو عقل کے ترازو میں پیش کردیں ورنہ کوئی توجیہ اپنی طرف سے کر کے اصل حکم کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں۔ روشن خیالی کے نام پر تاریک ضمیری' ضمیر فروشی اور جمہور علماء کی راہ سے انحراف ہر دور میں چلتا رہا۔ تا آنکہ برصغیر میں انگریزوں کا دور آیا۔ پھر انگریز کی کاسہ لیسی اور تلوے چاٹنے کیلئے بے ضمیروں کی ایک لمبی فہرست سامنے آئی۔ ان میں سے کبھی مرزا غلام قادیانی کی صورت میں کسی نے جہاد کا انکار کیا اور اس کیلئے جھوٹی نبوت کا سہارا لے کر انجام کار بیت الخلاء میں مرنے کا اعزاز ساتھ لے گیا۔ اور کبھی غلام پرویز اور سرسید احمد خان کی صورت میں معجزات' جنت' دوزخ اور فرشتوں کے منکرین پیدا ہوئے۔ اور انگریزوں سے خوب خوب دادِ شجاعت لے کر دنیاوی مفاد حاصل کئے اور اپنی آخرت کو تباہ و برباد کر گئے۔ ہم نے غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز پر الگ طور پر قلم آزمائی کر کے اہل ایمان کے سامنے ان کے دجل وفریب کو طشت از بام کیا ہے البتہ لمبی داڑھی والے سرسید احمد خان کو زیر نظر سطور میں خصوصی طور پر ہدف تنقید بنایا ہے۔ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ موجودہ دور کے ان معتزلہ کے افکار ونظریات کو پہچان کر اپنے ایمان وعمل کو ان کے فریب کاری سے بچائیں۔ اور جو سادہ لوح مسلمان ان کے شکنجہ میں آچکے ہیں ان کے بارے میں فکرمند ہو کر ان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ ذیل میں سرسید احمد خان کا تعارف اور اس کے عقائد ونظریات کو مختصر الفاظ میں طشت از بام کیا جاتا ہے۔

سرسید احمد خان کا تعارف سرسید احمد خان کے آباؤ اجداد کشمیر کے باشندگان تھے۔ شاہ عالم ثانی (پیدائش

۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء) دہلی کے تخت پر ۴۵ سال براجماں رہا۔اس کے دور میں دہلی کے علماء وفضلاء کا بادشاہ سے اختلاف ہوا اور جو علماء کلیدی عہدوں پر فائز تھے انہوں نے استعفیٰ دے کر کنارہ کشی اختیار کر لی۔دوسری طرف انہی ایام میں کشمیر میں قحط پڑا۔سرسید کے خاندان کے بڑوں نے جب اس دوران دہلی کے ان اعلیٰ عہدوں اور مناصب کو خالی پایا تو اپنے آبائی وطن کشمیر کو خیر باد کہہ کر عازم دہلی ہوئے۔اعلیٰ ملازمتوں کے حصول کیلئے جو جتن کئے جاتے ہیں اور جو ہتھکنڈے استعمال ہوتے ہیں وہ تمام سرسید کے بزرگوں نے روا رکھے اور ان مناصب پر فائز ہوئے۔سرسید دہلی میں ۱۸۱۷ء میں سید متقی کے گھر میں پیدا ہوا۔سن بلوغت کو پہنچا تو عام ابتدائی مروجہ علوم میں شد بد حاصل کر چکا تھا۔مولانا مخصوص اللہ ؒ اور مولانا مملوک علی ؒ سے کچھ ابتدائی مذہبی علوم کی تحصیل کی۔پھر سریانی اور عبرانی زبانوں کے سیکھنے میں مصروف ہو کر کچھ ابتدائی کامیابی حاصل کی اور علامہ بننے کے زعم میں پادریوں کے ساتھ مناظرے شروع کئے جس میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔روشن خیالی کے اس امام نے روشن مستقبل کے خواب دیکھنا شروع کئے تو ایک سہل طریقہ یعنی پیری مریدی کی طرف متوجہ ہوئے۔لیکن اس میدان میں جن اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے اس کے فقدان کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر محکمۂ مال کی ملازمت اختیار کر لی اور ملازمت کے کچھ مراحل طے کرنے کے بعد مختاری کا امتحان پاس کر کے ۱۸۵۷ء تک جج کے عہدہ پر فائز رہے۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی دل کھول کر مدد کی۔انگریزوں کو اپنے اور اپنے احباب ورشتہ داروں کے گھروں میں پناہ دے کر سفید فاموں کو محفوظ مقامات پر پہنچانے میں خوب شہرت حاصل کی۔عین ممکن تھا کہ اگر سرسید اور اس کے اعوان وانصار انگریزوں کی مدد نہ کرتے تو انگریز ۱۸۵۷ء ہی میں ہندوستان چھوڑ کر واپس برطانیہ چلے جاتے۔کہا جاتا ہے کہ انگریز کو افغانستان میں قدم جمانے کا موقع اس لئے نہیں ملا کہ وہاں ان کو کوئی سرسید ہاتھ نہیں آیا تھا۔

سرسید کو جدید دنیا کے روشن خیال نئے دور کا مجدد اور مسلمانوں کی ترقی کا راہنما سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے برصغیر میں وارد ہونے سے قبل یہاں پر تعلیم کا ایک بے مثل نظام رائج تھا۔دینی مدارس کا جال پھیلا ہوا تھا۔انہی مدارس کے فارغ التحصیل علماء نہ صرف مساجد ومدارس کا نظام سنبھالے ہوئے تھے بلکہ سیاست اور نظام حکومت کا زمام بھی انہی کے ہاتھوں میں تھا۔ انگریزوں نے اس اسلامی نظام تعلیم کی بساط لپیٹنے کیلئے سرسید کی خدمات حاصل کیں۔سرسید نے یورپ جا کر وہاں کے نظام تعلیم کا بغور مطالعہ کیا اور واپس آ کر علی گڑھ میں محمڈن اورینٹل کالج کی بنیاد رکھی۔جہاں پر قدیم وجدید کے امتزاج سے نصابات رائج کئے۔بعد میں اس کالج کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا درجہ ملا۔جو آج بھی قائم ہے۔مسلمان چونکہ انگریز اور اسکی تعلیم سے متنفر تھے اور کسی صورت اس کو قبول نہیں کر پا رہے تھے لہٰذا دینی مدارس کے بالمقابل سرسیّد کے وضع کردہ نصاب تعلیم کی صورت میں مسلمانوں کو مغربی تہذیب وتمدن کی طرف راغب کر رہے تھے۔ دوسری طرف انگریزوں نے دینی مدارس کی بساط لپیٹنے کیلئے دینی مدارس کے اوقاف کو ضبط کیا۔

نصاب اور نظام تعلیم پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے لگے اور اس کو فرسودہ اور دقیانوسی قرار دینے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ دینی مدارس کے فارالتحصیل علماء کی ملازمتوں پر پابندی لگادی گئی۔ دوسری طرف انگریزی نظام تعلیم کی سرپرستی اور دلجوئی کی گئی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ دینی مدارس معدوم ہوتے گئے اور لارڈ میکالے کا نظام تعلیم رائج ہوتا گیا جس کا خلاصہ لارڈ میکالے نے یہ بیان کیا تھا کہ ''ہم نے ہندوستان میں اپنے نظام تعلیم کے ذریعہ ایسی پود تیار کرنی ہے جو شکل وصورت کے لحاظ سے ہندوستانی ہو مگر دل ودماغ اور جذبات واحساسات کے لحاظ سے انگریز ہو۔''

سرسید نے انگریزوں کا آلۂ کار بن کر مسلمانوں میں ان کیلئے ذہنی وقلبی لحاظ سے ماحول بنانے کی کوشش کی تو سرسید کو ان خدمات کے صلہ میں انگریزوں نے مختلف خطابات اور اعزازات سے نوازا چنانچہ اسے خان بہادر (Sir)۔ شاہی مشیر (K. B) انڈیا کا امن جج (K.C)۔ قانون کا ڈاکٹر (L.L.D) جیسے خطابات اور ڈگریوں سے نوازا۔ اور دو پشتوں تک دوسو روپے پنشن سے بھی سرفراز کیا۔ سرسید نے دنیاوی اعزازات تو حاصل کر لئے مگر وہ یہ بھول گیا تھا کہ

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے **الکفر ملة واحدة** تمام کفر ایک ہی ملت ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے تناظر میں جب ہم باطل فرقوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیرت انگیز طور میں ان میں باہمی مماثلت اور باطل افکار پر اتفاق نظر آتا ہے۔ چنانچہ مرزائیوں کے فرقۂ ضالہ کی تاریخ احمدیت میں مرقوم ہے کہ سرسید نے مرزا غلام قادیانی جہنم مکانی کی بڑی معاونت کی ہے اور ان کی کتابوں کو بہت سراہا ہے۔ قادیان کے جھوٹے نبی نے کہا ہے کہ سرسید تین باتوں میں مجھ سے متفق ہے۔ ایک یہ کہ عیسیٰ" بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے بلکہ معمول کے مطابق ان کا باپ تھا۔ (واضح رہے کہ عیسائیوں کے ایک فرقے کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ مریم" کے یوسف نامی ایک شخص سے تعلقات تھے جس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ" شادی سے قبل پیدا ہوئے۔ نعوذ باللہ من ذالک) دوسرے یہ کہ عیسیٰ" کو آسمان پر نہیں اٹھایا گیا بلکہ اس سے ان کے درجات بلند کرنا مراد ہے۔ تیسرے یہ کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو روح مع الجسد معراج نہیں ہوئی بلکہ صرف ان کی روح کو معراج ہوئی ہے۔

تاریخی واقعات اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ مرزا غلام قادیانی اور سرسید احمد خان عیار ومکار انگریزوں کے خود کاشتہ پودے تھے۔ ان دونوں سے انہوں نے وہ کام لئے جو وہ اپنے ملکوں کی ساری دولت خرچ کر کے بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان دونوں کو سفید فام دشمنان اسلام نے یہ خدمت سونپی تھی کہ دین اسلام میں اپنے باطل نظریات اور خرافات کے ذریعہ شگاف ڈال کر اہل اسلام کو ذہنی اور مذہبی جنگ میں جھونک دیں تاکہ وہ بے فکر ہو کر ہندوستان پر حکومت کے مزے لوٹتے رہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ سرسید نے بہت سارے مضامین' مقالات اور کتب تحریر کی ہیں مگر سب سے مقصد ان کی اپنے غلط نظریہ کی ترویج واشاعت ہے۔ سرسید نے ایک کتاب خلق الانسان یعنی انسانی پیدائش سے متعلق لکھی ہے۔ جس میں ڈارون کے اس نظریہ کی تصدیق وتوثیق کی گئی ہے کہ انسان پہلے بندر تھا پھر بتدریج انسان بنا ۔حالانکہ قرآن وسنت کے نصوص سے صراحۃً ثابت ہے کہ انسان آدمؑ کی اولاد ہے اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ سرسید ان صریح نصوص کا منکر ہے۔

سرسید نے ایک کتاب ''اسباب بغاوت ہند'' کے نام سے لکھی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کرتے ہوئے علم جہاد بلند کیا تھا۔ سرسید کو اس سے بہت دکھ ہوا کہ انگریزوں کے خلاف مسلمان کیوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے اس جہاد کو بغاوت کا نام دیا۔ اور بغاوت کے اسباب بیان کر کے ''اسباب بغاوت ہند'' نامی کتاب لکھی جس میں مسلمانوں کو انگریز حکومت کے تابع فرمان رہنے کا مشورہ دیا۔ نیز مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ تمھاری کامیابی اس میں ہے کہ انگریزی زبان اور علوم سیکھو اور انگریزی تہذیب وتمدن کے رنگ میں رنگ جاؤ تا کہ فرق باقی نہ رہے اور دوریاں ختم ہوں۔

سرسید کی طرف ایک کتاب '' آثار الصنادید'' منسوب کی جاتی ہے جو دہلی کے اکابر' علماء اور امراء کے حالات اور ان کے مزارات کی نشاندہی پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ آثار الصنادید سرسید کی تالیف نہیں ہے بلکہ شاہجہان آباد کے رہنے والے مرزا بخشی محمود نے ایک کتاب سیر المنازل لکھی تھی جو فارسی زبان میں تھی۔ آثار الصنادید اسی کا اردو ترجمہ ہے جسے سرسید کی ذاتی تالیف کی شہرت دی گئی ہے۔

سرسید کی تفسیر القرآن

سرسید نے تفسیر القرآن کے نام سے پندرہ پاروں کی تفسیر لکھی ہے جو درحقیقت تحریف القرآن ہے۔ اس کی چھ جلدیں سورۂ فاتحہ سے لیکر سورۂ اسراء تک سرسید کی زندگی ہی میں علی گڑھ کالج سے شائع ہوئیں۔ ساتویں جلد سورۂ کہف سے سورۂ طٰہٰ تک ان کی وفات کے بعد علی گڑھ بک ڈپو نے شائع کی۔ سرسید نے تفسیر القرآن کیلئے یہ معیار مقرر کیا کہ ان کی زندگی تک تاریخ اسلام کے تیرہ سو سال کے عرصہ میں توارث اور تواتر کیساتھ نبی اکرم ﷺ' صحابہ کرامؓ ' تابعین اور علماء واولیاء امت سے قرآن کریم کی جو تفسیر منقول چلی آرہی تھی سرسید نے اس جادۂ مستقیم کو چھوڑ کر اپنی محدود عقل اور بے علمی کا سہارا لیا اور ایک خانہ ساز تفسیر مرتب کی۔ بقول بعض علماء کے قرآن کی وہ خود ساختہ تفسیر لکھی جس کی طرف نہ خدا کا ذہن گیا' نہ جبرائیل امین کا' نہ آخری پیغمبر ﷺ کا' نہ صحابہ کا اور نہ تابعین کا۔ سرسید نے خود لکھا ہے کہ ''میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن کریم پر غور کیا اور چاہا کہ قرآن کو خود ہی سمجھنا چاہئے'' (تفسیر القرآن ۱۹ ص ۲) چنانچہ سرسید نے اسلام کے متوارث ذوق اور نہج سے اتر کر خود قرآن پر غور کیا اور اپنے انگریز آقاؤں کو خوش

کرنے کی خاطر اسلام کے نام پر اپنے ملحدانہ نظریات سے فرنگیانہ اسلام کی عمارت تیار کرنا شروع کی جس میں نہ ملائکہ کے وجود کی گنجائش ہے نہ ہی جنت و دوزخ کا کہیں نشان ہے۔اور نہ جنات اور ابلیس کے وجود کا اعتراف ہے۔اور معجزات وکرامات تو ان کے نزدیک مجنونہ باتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کی خود ذمہ داری لی ہے۔اور ہر دور میں جب باطل سر اُبھارتا ہے تو حق بھی اسے للکارتا ہے۔فارسی کا مقولہ مشہور ہے ''ہر فرعونے راموسیٰ'' ہر فرعون کیلئے اللہ تعالیٰ کوئی موسیٰ پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ سرسید کے باطل نظریات کی سرکوبی کیلئے اللہ تعالیٰ نے علماء حق کو پیدا فرمایا۔اس سلسلے میں سرسید کے غلط افکار ونظریات کو جس شخصیت نے سب سے زیادہ ہدف تنقید بنا کر طشت از بام کیا وہ حضرت مولانا عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ ہیں۔آپؒ ہندوستان کے ضلع انبار میں ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے اور دہلی میں ۱۹۱۶ء کو وفات پائی۔آپ نے قرآن کریم کی تفسیر فتح المنان لکھی جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔اس تفسیر میں آپ نے قرآنی آیات کے اصلی مقاصد و مطالب کھول کر بیان کئے۔اوراس کی ابتداء میں ایک طویل مقدمہ لکھ کر سرسید کے تمام لغویات کو کھول کھول کر بیان کیا اوراس کی تردید مسکت جوابات کے ذریعہ کی۔

خود سرسید کے پیروکار و معتقد مولانا الطاف حسین حالی مؤلف مسدس (وفات دسمبر ۱۹۱۴ء) تحریر فرماتے ہیں کہ سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں اوران سے رکیک لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔(حیات جاوید مطبوعہ آگرہ ص ۱۸۴)

اس کے علاوہ مولانا محمد علی مرادآبادی نے **البرھان علی تجھیل من قال بغیر علم فی القرآن** میں سرسید کے غلط نظریات پر خوب پکڑ کی ہے۔شیعہ مفسر ابو عمار علی رئیس سونی پت (وفات ۱۸۸۶ء) نے بھی سرسید کی رد میں تفسیر عمدۃ البیان لکھی جس نے شہرت اور مقبولیت پائی۔ نیز عبداللہ یوسف علی نے اپنی انگریزی تفسیر قرآن میں لکھا ہے کہ سرسید کی تفسیر قرآن' علماء امت کے مسلمہ اصول ونظریات سے متصادم ہے۔

سرسید کے افکار ونظریات

۱) رفع کوہ طور کا انکار

سرسید نے دین اسلام کو عقل کی ترازو میں تول کر مسلمات دین کا انکار کیا۔اور قرآن کریم میں جہاں معجزات یا مظاہر قدرت خداوندی کا ذکر ہے اس کی تاویل فاسدہ کر کے من مانی تشریح کی ہے۔چنانچہ پہلے پارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہود سے جب عہد و پیماں لیا جارہا تھا تو اس وقت کوہِ طور کو ان کے سروں پر اٹھا کر لا کھڑا کر دیا تھا۔ جسے سارے مفسرین نے بیان کیا ہے۔سرسید اس واقعہ کا انکار کرتا ہے اور لکھتا ہے۔ ''پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر نہیں رکھا تھا بلکہ آتش فشانی سے پہاڑ ہل رہا تھا اور وہ اس کے نیچے کھڑے یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ان کے سروں پر گر پڑے گا۔'' سرسید نہ صرف آیت کی غلط تاویل کرتا ہے بلکہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ مفسرین کا مذاق بھی اڑاتا ہے۔

ہ لکھتا ہے۔ "مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس واقعہ کو عجیب وغریب واقعہ بنا دیا ہے۔ اور ہمارے مسلمان مفسر عجائبات دوراز کار کا ہونا مذہب کا فخر اور اس کی عمدگی سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے تفسیروں میں لغو، بیہودہ عجائبات (یعنی معجزات) بھر دی ہیں۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ کوہِ سینا کو خدا ان کے سروں پر اٹھا لایا تھا کہ مجھ سے اقرار کرو۔ نہیں تو اسی پہاڑ کے تلے کچل دیتا ہوں۔ یہ تمام خرافات اور لغو اور بیہودہ باتیں ہیں۔" (تفسیر القرآن ج ا ص ۹۷ تا ۹۹)

آپ نے دیکھا کہ جو واقعہ سرکش یہود کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہے اور جس پر سارے مفسرین کا اتفاق ہے کہ کوہِ طور کو اٹھا کر یہود کے سروں پر لا کھڑا کیا گیا تھا اسے سرسید لغو اور بیہودہ واقعہ قرار دیتا ہے۔ پھر جس طرح کہ سرسید کا دعویٰ ہے کہ پہاڑ کو ان کے سروں پر لا کھڑا نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ پہاڑ آتش فشانی کے سبب لرز رہا تھا۔ اور یہود کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ گویا پہاڑ ان کے سروں پر گر پڑے گا۔ کوئی سرسید سے یہ پوچھے کہ آتش فشانی اور پہاڑ کے لرزنے کا بیان اس نے کس آیت اور کس حدیث کی بناء پر کیا ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی نقلی ثبوت نہیں ہے اور یہ اس کی اپنی عقلی اختراع ہے تو جمہور مفسرین کے مقابلے میں ایسی عقل پر لعنت اور اخ تھو ہو۔

؎ بریں عقل و دانش بباید گریست

بیت اللہ شریف اور سرسیدؒ

بیت اللہ شریف جسے عُرف عام میں خانہ کعبہ کہتے ہیں تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کا دھڑکتا ہوا دل اور ملت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس مقدس اور بابرکت گھر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اوّل بیت وُضع للناس لَلّذی بِبکۃَ مُبارکاً وھدی للعالمین. سب سے پہلا گھر جو لوگوں کیلئے وضع کیا گیا ہے یہ وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ بابرکت ہے اور جہاں والوں کیلئے راہنما ہے۔ (ال عمران : ۹۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو مسلمانوں کیلئے بابرکت اور ہدایت کا پہلا گھر ارشاد فرمایا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اسی کی تشریح میں فرمایا ہے۔

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

دوسری جگہ مکہ مکرمہ کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذ جعلنا البیتَ مثابۃً لِلناسِ وَامناً اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کیلئے ایک مقام رجوع اور مقام امن قرار دیا۔ (البقرۃ : ۱۲۵) ایک جگہ ارشاد ہے فِیہِ ایات بیّنٰت مقامُ اِبراھیم وَمن دَخلہُ کَان امناً اس میں کھلے ہوئے نشان ہیں جن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے جو کوئی اس (مسجد حرام) میں داخل ہوتا ہے وہ امن سے ہو جاتا ہے۔ (آل عمران : ۹۸) عظمت کعبہ کی بابت دوسری جگہ ارشاد ہے جَعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قِیاماً لِلنّاس اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ گھر ہے

بزرگی اور تعظیم والا' لوگوں کیلئے قیام کا باعث بنایا ہے۔(المائدۃ : ۹۷) مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو بابرکت' باعث ہدایت' لوگوں کیلئے مقام رجوع و مقام امن اور قیام کا باعث فرمایا۔ان آیات اور دوسری روایات کے باعث مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس گھر کو باعث صد تکریم و تعظیم خیال کرتے ہیں اور اس کی حفاظت و نگہداشت کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں۔علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا

ایک ہیں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ کعبہ شریف دینی اور دنیاوی دونوں حیثیت سے قابل احترام ہے کیونکہ کعبہ شریف تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق' تکمیل روحانیت اور علوم وہدایت کا مرکزی نقطہ ہے۔کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقاء کا باعث ہے۔دنیا کی آبادی اس وقت تک ہے جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام اور اکرام کرنے والے موجود ہیں۔

محدث کبیر حضرت امام شاہ ولی اللہؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۳ء) فلسفہ اسلام سے متعلق اپنی لازوال تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ چار چیزیں شعائر اللہ میں سے اعلیٰ درجہ کی ہیں۔(۱) قرآن کریم (۲) پیغمبر (۳) کعبۃ اللہ (۴) نماز۔ واضح رہے کہ کعبہ اسلام کا مرکز اور محور ہے اور اس کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ارشاد ربانی ہے وَمن یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب . جو بھی اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم وتکریم کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔(الحج : ۳۲) اور مسلمانوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کریں۔ارشاد ہے۔ یا ایھا الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللّٰہ " اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حرمتی مت کرو۔(المائدۃ:۲) اس تمہید کے بعد اب ذرا کلیجہ تھام کر سرسید کی ہرزہ سرائی کعبۃ اللہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔نقل کفر کفر نباشد۔اپنی تفسیر القرآن کے نام پر وہ تحریف القرآن میں لکھتا ہے۔

''جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ ان کی خام خیالی ہے۔۔۔اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوئے۔''(تفسیر القرآن ج ۱ ص ۲۱۱ و ۲۵۱)

وہ مزید لکھتا کرتا ہے ''کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے۔۔۔نماز میں سمت قبلہ کوئی اصلی حکم مذہب اسلام کا نہیں ہے۔(تفسیر القرآن ج ۱ ص ۱۵۷ و ۱۶۱)

(جاری ہے)